موت وجودی انسٹین کی نظر میں

بختیار حسین صدیقی*

موت کیا ہے ؟ اس کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے ؟ بادی النظر میں موت مستقبل میں پیش آنے والا ایک خارجی واقعہ ہے جو زندگی سے ہمارا رشتہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیتا ہے ۔ اس کا ہماری زندگی سے کوئی مثبت تعلق نہیں ۔ البتہ منفی حیثیت سے یہ ہماری ساری زندگی کو متاثر کرتا ہے کیونکہ اس کا شعور بالعموم ہمیں خوف کی صورت میں ہوتا ہے جس کے تصور سے بقول غالب ہمارا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور نیند حرام ہو جاتی ہے :

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا　　اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

مرنا ہمیں اچھا نہیں لگتا ۔ ہم اُس دن سے ڈرتے ہیں جب موت ہم سے زندگی کی نعمت چھین لے گی ۔ تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ڈرنے کے بجائے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں ۔ زندگی کی کلفتیں جب حد سے بڑھ جاتی ہیں تو بالآخر ہم مرنے کی دعا مانگتے ہیں ۔ اب ہمیں اس سے ڈر نہیں لگتا بلکہ ہم دوڑ کر اس سے گلے ملنا چاہتے ہیں ۔ لیکن وہ ہے کہ آنے کا نام ہی نہیں لیتی ۔ بقول غالب :

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی　　موت آتی ہے پر نہیں آتی

لیکن یہ موت جس سے ہم اس قدر ڈرتے ہیں مگر جس کی ہم اکثر آرزو بھی کرتے ہیں ، آخر ہے کیا چیز ؟ سائنس کے بے غرضانہ انداز لیکن شاعری کی والہانہ زبان میں چکبست نے اس کی وضاحت یوں کی ہے :

زندگی کیا ہے ؟ عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے ؟ ان ہی اجزا کا پریشان ہونا

سائنس شخصی اغراض کو پسِ پشت ڈال کر اشیا کا معروضی حیثیت سے مطالعہ کرتی ہے ۔ اس بے غرضی کے ساتھ جب اس نے زندگی کا مطالعہ کیا تو وہ اسے آب و آتش ، خاک و باد کا امتزاج نظر آئی ، بالکل ایسے ہی جیسے کہ پانی کو جب اس نے امتحانی نلی میں ڈالا تو وہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ایک مخصوص مقدار میں امتزاج نکلا ۔ اب اگر زندگی نام ہے عناصر اربعہ میں

*بختیار حسین صدیقی ، پروفیسر فلسفہ ، گورنمنٹ کالج لاہور ۔

ترتیب کا تو ظاہر ہے کہ موت ان میں انتشار کے سوا کیا ہو سکتی ہے اور یہ مستقبل میں پیش آنے والا انتشار ایک خارجی واقعے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے ؟ ہر شخص کی موت اس عام تصور پر پوری اترتی ہے لیکن یہ کسی ایک شخص کی بھی موت کا اُس کی زندگی سے مثبت تعلق نہیں بتاتی ۔ ایک مجرد (Abstract) اور مطلق (Absolute) تصور سے یہ توقع ہی بے سود ہے ۔ تجرید اور کلیت (Universality) کی خالق عقل تو دور ہی سے موت کو چھو کر نکل جاتی ہے ۔ ایک خارجی واقعے کے سوا وہ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں سکتی ، جس کا تعلق مستقبل سے ہے ، حال سے نہیں ۔ دوسروں سے ہے ، مجھ سے نہیں ۔

موت کا مذکورہ بالا معروضی مگر منفی تصور وجودیت کی نظر میں اس کا قطعی غیر حقیقی اور غیر انسانی تصور ہے ۔ انسانی اور حقیقی تصور میں موت ایک ہمہ وقت موجود داخلیت کی حیثیت رکھتی ہے جو مثبت معنی میں ہماری ساری زندگی کو متاثر کرتی ہے ۔ موت کے اسی تصور کی وضاحت کرنا یہاں میرا مقصود ہے ۔ لیکن اس موضوع پر کرکیگارڈ (Kierkegaard) ہائیڈیگر (Heidegger) اور سارتر (Sartre) کے خیالات پیش کرنے سے پیشتر میں مسکویہ کے نظریہ موت پر بحث کرونگا تاکہ موت کا روائتی تصور اچھی طرح واضح ہو جائے جس کے پس منظر میں موت کے وجودی تصور کا سمجھنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا ۔

(۲)

دسویں صدی عیسوی کے ممتاز مسلمان فلسفی ابو علی احمد مسکویہ (م-۱۰۳۰ع) کے نزدیک موت دنیوی زندگی کا اختتام اور اُخروی زندگی کا آغاز ہے ۔ یہ ہے نام اس فانی دنیا سے کوچ کرکے ایک ابدی دنیا میں منتقل ہونے کا ۔ لیکن اگر موت آغاز ہے ایک ابدی زندگی کا تو پھر لوگ اس سے ڈرتے کیوں ہیں اور ان کے اس ڈر کا علاج کیا ہے ؟ تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق کے ساتویں اور آخری باب میں مسکویہ نے موت کے خوف کے جو اسباب بیان کیے ہیں اور ان کا جو علاج تجویز کیا ہے ، وہ موت کے روایتی تصور کی ایک جامع مثال ہے ۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے[1] :

موت سے ڈرنے کے کئی وجوہ ہیں ۔ اکثر لوگ موت سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے یا وہ اُس دنیا میں اپنی روح کے مسکن کے متعلق تذبذب میں ہوتے ہیں یا وہ سمجھتے ہیں کہ موت ایک تکلیف دہ تجربہ ہے

۱- مسکویہ : کتاب مذکورہ (مصر ۱۳۲۹ھ) ، ۱۷۵-۱۸۱ -

یا وہ آخرت میں سزا سے ڈرتے ہیں یا انھیں اہل و عیال کے چھوٹنے کا غم ہوتا ہے یا انھیں اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ دنیا تو اپنی جگہ پر رہے گی لیکن اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہ خود اس دنیا میں نہ ہوں گے ۔ یہ تمام غم و خوف ہماری جہالت کا ثبوت ہے اور جہل کا علاج علم ہے ۔ اسی اصول کی روشنی میں مسکویہ موت کے جملہ اسباب کا جائزہ لیتا ہے اور ان سب کو عقل و فکر کے منافی پاتا ہے ۔

موت کی اصل ماہیت کیا ہے ؟ روح کا جسم سے رشتہ منقطع ہو جانا ۔ اس رشتے کے منقطع ہونے کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے اور روح اسے اپنے آلے کے طور پر استعمال کرنے کے قابل نہیں رہتی ، لیکن خود روح میں اس سے کوئی فساد نہیں پیدا ہوتا ۔ روح ایک غیر فانی جوہر ہے ۔ جسم کے ساتھ اس کے فنا ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس بنا پر اس سے ڈرنے کا کوئی جواز رہتا ہے ۔ موت روح کو جسم کی قید سے آزاد کر دیتی ہے ۔ اسی کی بدولت اُسے اپنی اور نیز خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر انسان کے لیے اور کوئی سعادت نہیں ۔ پس موت کا خوف در اصل انسان کے اپنے جوہر کی تکمیل کا خوف ہے جو سراسر عقل کے منافی ہے ۔ جسم کے فنا ہونے کے بعد روح کہاں جائے گی ؟ اس کے متعلق تشویش اور خوف ہماری اپنی جہالت کا ثبوت ہے جسے ہمیں مذہب کا مطالعہ کرکے دور کرنا چاہیے ۔ موت کے تکلیف دہ ہونے کا خیال خام ہے ، اس لیے کہ تکلیف کا احساس روح کے جسم سے تعلق پر مبنی ہے اور موت اس تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہے ۔ آخرت میں سزا کا خوف در اصل موت کا نہیں بلکہ ہمارے اپنے گناہوں کا خوف ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم برے کام نہ کریں اور نیک کاموں میں دلچسپی لیں ۔ اہل و عیال کے چھوٹنے کا غم قبل از مرگ واویلا کے سوا کچھ نہیں ۔ موت امر ربی ہے اور اس سے مفاہمت ہی کرکے ہم دین و دنیا کے کاموں میں پوری دلچسپی لے سکتے ہیں ۔ دائمی زندگی کی خواہش لغو ہے ، کیونکہ اگر ہمیشگی کی زندگی ممکن ہوتی تو آج روئے زمین پر تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی ۔ اور اگر ہمارے اسلاف نہ مرتے تو خود ہماری دنیا سے لطف اندوز ہونے کی باری کبھی نہ آتی ۔ ہمیشگی کی زندگی کی طرح طویل زندگی کی خواہش بھی لغو اور فضول ہے ۔ جو شخص طویل عمر چاہتا ہے وہ در اصل بڑھاپے کی تمنا کرتا ہے اور بڑھاپا ایک ایسا روگ ہے جس کا علاج موت کے سوا کچھ نہیں ۔

موت کے خوف کا جو علاج اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ موت مسکویہ کے نزدیک مستقبل میں پیش آنے والا ایک خارجی واقعہ ہے جس کا

ادراک ہمیں خوف کی صورت میں ہوتا ہے ، لیکن جسے عقل کا مطیع بنا کر اچھے اعمال کے محرک کے طور پر استعمال کرنا چاہیے ۔ نیکی کی ترغیب ، برائی سے احتراز۔ یہ ہے ایک خدا پرست انسان کے نزدیک موت کے انسانی زندگی سے تعلق کا لب لباب ۔ آج کل کا انسان خدا پرست نہیں ، انسان پرست ہے ۔ وہ موت کے خدا پرستانہ تصور کو انسان کشی کے مترادف سمجھتا ہے ، کیونکہ اس سے اس کے نزدیک دنیا عقبیٰ کی نظر ہو جاتی ہے اور انسان خدا کی ۔

(۳)

مسکویہ ایک خدا پرست مسلمان تھا ۔ کرکیگارڈ (م - ۱۸۵۵) ایک عیسائی وجودی ہے ۔ عیسائی ہونے کی حیثیت سے کرکیگارڈ بھی موت کو ایک دوسری زندگی کا آغاز سمجھتا ہے اور اسی اعتبار سے وہ اس کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے لیکن موت اس کے یہاں ایک خارجی واقعہ نہیں ، داخلی جذبہ ہے ۔ جذبے کے بغیر اس کے نزدیک موت کے متعلق سوچا ہی نہیں جا سکتا ۔ بہر حال جذبے سے اس کی مراد خوف نہیں بلکہ عمل کا پر شوق فیصلہ ہے ۔ اپنی ایک کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ میری موت ، جب بھی وہ آئے گی ، کوئی عام شے نہیں ہوگی ۔ وہ میری اپنی موت ہوگی ۔ اس کا تعلق میرے اپنے وجود سے ہوگا ، اس لیے میں اس سے کبھی لاپروائی نہیں برت سکتا ۔ میرے اپنے منصوبے اس سے بری طرح متاثر ہوں گے ، اس لیے اس سے لاپروائی خود زندگی سے لاپروائی کے مترادف ہوگی ۔ پھر اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ۔ وہ کبھی کسی وقت بھی آ سکتی ہے ۔ وہ اتنی ''غدار'' ہے کہ کل ، آج بلکہ ابھی ابھی بھی آ سکتی ہے ۔ وہ ایک ایسا امکان ہے جس کے پورے ہونے کا امکان ہر وقت موجود ہے ۔ اس لحاظ سے موت مستقبل میں پیش آنے والا ایک خارجی واقعہ نہیں بلکہ میری اپنی داخلیت کا لازمی جزو ہے ۔ فکر و تشویش کی شکل میں وہ ہر وقت میرے سر پر منڈلاتی رہتی ہے ۔ میں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑ سکتا ، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ میں کل ہی مر جاؤں اور یہ کام اُدھورا رہ جائے ۔ موت کی ناگہانیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنے آئندہ پر ہونے یا وہ ہونے کے لیے جو منصوبے بناؤں وہ اس اعتبار سے بناؤں کہ انہیں عملی جامہ پہنانے سے پیشتر موت مجھے نہ آ لے ۔ پس موت زندگی کا ترکیبی جز ہے ۔ وہی میرے تمام فیصلوں کی موجب ہے اور ان پر فوری عمل کی محرک[۲] ۔

۲۔ کرکیگارڈ ، اختتام غیرسائنسی عبارت مزید (Concluding Unscientific Postscript) (پرنسٹن یونیورسٹی پریس ۱۹۴۴) ۱۴۸ - ۱۴۹ ۔

لیکن کیا ہمارے لیے موت کا تصور کرنا ممکن ہے ؟ موت زندگی کی ضد ہے ، تو کیا وہ صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ زندگی نہیں ہوتی ؟ ان سوالوں کا جواب دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ ہم بقید حیات موت کا مزہ نہیں چکھ سکتے - بہرحال اس سلسلے میں ہماری تمام تر تحقیقات کا تعین اس بات پر منحصر ہے کہ کس طرح موت کا شعور ہمیں ہر وقت اس پر غالب رہنے کے لیے سر گرم عمل رکھتا ہے[۳] - داخلیت کرکیگارڈ کے نزدیک سب سے بڑی قدر ہے - چنانچہ جذبے کی جتنی گہرائی کے ساتھ انسان اپنی موت کے امکان بالخصوص اس کی ناگہانیت پر غور کرے گا ، اتنی ہی تیزی کے ساتھ اس کی داخلیت ترقی کے منازل طے کرے گی - پس موت کا شعور در اصل دعوت عمل ہے[۴] - مرزا غالب (م-۱۸۶۹) وجودی نہیں تھے لیکن ایک طرح وجودیوں سے بڑھ کر بات کہ گئے- موت ان کے نزدیک بھی تازیانۂ عمل ہے - لیکن جذبے کی بجائے تخیل کی زبان استعمال کرکے انہوں نے کرکیگارڈ کے موت کے تصور کی قنوطیت کو یکسر رجائیت میں بدل دیا :

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ؟ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا ؟

زندگی کی ساری چہل پہل اور رونق ان کے نزدیک موت کی رہین منت ہے - ''نشاط کار'' کی لذت سے انسان آشنا ہوتا ہے تو اسی کے دم سے - موت اگر نہ ہوتی تو انسان کا ذوق عمل سرد پڑ جاتا ، سعی پیہم کی اُمنگ ختم ہو جاتی اور وفورِ شوق سے انسان کبھی آشنا نہ ہوتا -

(۴)

مسکویہ کے عقلی اور علمیاتی (Epistemological) تصور کے مقابلے میں کرکیگارڈ نے موت کا جذبی اور وجودیاتی (Ontological) تصور پیش کیا - موت اس کے نزدیک بیجان تصور نہیں ، بھرپور جذبہ ہے - لیکن اس جذبے کو سچا عیسائی بننے کی اساس قرار دے کر وہ بھی موت کے غیر انسانی تصور سے آگے نہیں بڑھ سکا - رلکے (Rilke) جیسے شاعروں اور مالرو (Malraux) جیسے ناول نویسوں نے پہلی مرتبہ موت کا انسانی تصور پیش کیا ، لیکن اسے فلسفیانہ شکل دینے کا سہرا جرمن مفکر ہائیڈیگر (م-۱۸۸۹) کے سر ہے جس نے ''خدا کو غیر حاضر

۳- ایضاً ، ص ۱۵۱-۱۵۰-

۴- ایف مولینا (F. Molina) ، وجودیت ایک فلسفہ (Existentialism As Philosophy). (پرنٹس ہال - یو - ایس - اے ۱۹۶۲) ، ۱۰۵ -

پا کر'' اس کی جگہ انسان کو دے دی ۔ وہ پہلا مفکر ہے جس نے محسوس کیا کہ انسان کی حیثیت سے انسان صرف انسانی چیزوں کا سامنا کر سکتا ہے ۔ زندگی کا کوئی دوسرا رخ نہیں ، اس لیے موت اس کے خیال میں اس زندگی ہی کا ایک مظہر ہے ۔ یہ اس کا آخری مظہر سہی لیکن ہے یہ اسی کا ایک مظہر جو آئے بہاؤ کی شکل میں ہماری ساری زندگی کو متاثر کرتا ہے[۵] ۔ لیکن یہ مظہر ہے کیا چیز ؟ مظہر سے ہائیڈیگر کی مراد کوئی حقیقی یا قدرتی شئے نہیں ، بلکہ وہ شئے ہے جو ہمارے شعور میں ظاہر ہوتی ہے ۔ شعور ہمیشہ کسی شے کا شعور ہے ۔ یہی شئے جس کا ہم اپنے شعور میں ادراک کرتے ہیں ، مظہر ہے ۔ شعور میں ظاہر ہونے والی یہ مظہری موت مرنے کی ایک عام مثال نہیں ہو سکتی ۔ اس کا تعلق میرے اور صرف میرے وجود سے ہے ، کسی دوسرے کے وجود سے نہیں ۔ دوسرا شخص دنیا میں میرا کردار تو ادا کر سکتا ہے لیکن وہ میرے لیے مر نہیں سکتا ۔ میری موت داخلی اعتبار سے میری اپنی موت ہے جسے میں کسی دوسرے کو منتقل نہیں کر سکتا ۔ میری داخلیت کا جز بن کر یہ نہ صرف خود منفرد ہو جاتی ہے بلکہ میرے وجود کو بھی انفرادیت بخشتی ہے[۶] ۔ یہ منفرد موت میرے اپنے وجود کا انجام ہے ، ''ابھی تک نہیں'' ، آئندہ ہو گا کے مفہوم میں ۔ اس ''ابھی تک نہیں'' والے انجام سے میرے وجود کی تکمیل نہیں ہوتی ، کیونکہ یہ تو پیدا ہوتے ہی میرے سر پر منڈلانے لگتا ہے ۔ نہ اس سے میرا علم مکمل ہوتا ہے ، کیونکہ اس کا تعلق براہ راست میرے وجود سے ہے نہ کہ اس کے متعلق میرے علم سے ۔ پس موت نہ معروضی حیثیت سے انسان کے مکمل ہونے کا نام ہے اور نہ خارجی حیثیت سے اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کا ۔ یہ ''ابھی تک نہیں'' والا انجام ہمیشہ ہی اس کے سامنے ہوتا ہے[۷] ۔ ''وہ پیدا ہوتے ہی موت کے لیے کافی معمر ہوتا ہے'' ۔

''وجود اور زمانہ'' (Being and Time) فلسفیانہ حیثیت سے ہائیڈیگر کی سب سے اہم کتاب ہے ۔ اس کتاب میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ داخلی اعتبار سے انسان ''چنتا'' (Care) کا دوسرا نام ہے ، بلکہ اس کی داخلیت کی

۵- جے۔ پی ۔ سارتر ، وجودیت اور لاشیئیت (Being and Nothingness) ، فلوسوفیکل لائبریری ، نیویارک (۱۹۵۶) ، ص ۵۳۲-

۶- ایضاً ، ۵۳۴ -

۷- آر ۔ گرمزکے ، (R. Grimsky) ، وجودی تفکر (Existentialist Thought) کارڈف ، ویلز یونیورسٹی پریس ۱۹۵۵ ، ص ۸۷ -

اساس ہی چنتا پر ہے ۔ دوسرے الفاظ میں انسان چنتا والا وجود یا چنتا بھاؤ (Being-for-Care) ہے۔ انسانی داخلیت کا ترکیبی جز ہونے کی حیثیت سے موت بھی اس کے نزدیک چنتا ہی کی ایک شکل ہے ۔ لیکن چنتا سے اس کی مراد کیا ہے ؟ چنتا ، تشویش (worry) نہیں ہے ۔ تشویش کا تعلق نفسیاتی داخلیت سے ہے ، جب کہ چنتا کا وجودیاتی داخلیت سے ، جو مشتمل ہے ''امکان'' (Possib-ility) ، ''واقعیت'' (Facticity) اور ''ہبوطیت'' (Fallenness) کے ارکان (Existentials) ثلاثہ پر[۸] ۔ چنتا کی اس سہ رکنی ترکیب کی روشنی میں اب میں ہائیڈیگر کے تصور موت کی وضاحت کروں گا ۔

چنتا کا ایک رکن ''امکان'' ہے ۔ اس اعتبار سے انسان آپ اپنا امکان ہے یا فیصلہ ۔ وہ اپنا ماضی نہیں مستقبل ہے ۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ سے آگے آگے ہے ۔ لیکن اگر انسان امکان ہے تو جملہ امکانات میں سے موت بھی اس کا ایک امکان ہے ، نہایت ہی شخصی ، منفرد اور نا قابل انتقال امکان ۔ یہ ''اس کے وجود کے ممکن نہ ہونے کا امکان ہے'' ۔ اس کے وہاں دنیا میں موجود نہ ہونے کا امکان ہے ۔ منفی امکان سہی ، لیکن ہے یہ اس کا ایک امکان ہی[۹] ۔

چنتا کا دوسرا رکن واقعیت ہے جس سے مراد ہے انسان کا اپنے دنیا میں ''پھینکے جانے'' کو بطور میراث قبول کرنا - انسانی وجود ایک واقعہ ہے (fact) اور اس کا امکان اس کی اسی واقعیت سے وابستہ ہے ۔ پس موت انسان کا کوئی اتفاقی امکان نہیں ۔ یہ اس کا ایک اٹل امکان ہے ، جس سے مفر ممکن نہیں ۔ محدود (finite) اور ناگہانی (contingent) دنیا میں اسے پھینکا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ وہاں مرے ۔ اس کا ''وجود برائے مرگ'' (Being-for-Death) ہے ۔ ''وہ پیدا ہوتے ہی موت کے لیے کافی معمر ہوتا ہے'' ۔ موت ایک ایسا امکان ہے جس کا پورا ہونا یقینی ہے ۔ لیکن یہ امکان کب پورا ہوگا ، اس کا ہمیں کوئی علم نہیں بجز اس کے کہ اس کا پورا ہونا ہر وقت ممکن ہے[۱۰] ۔ بقول فانی :

زندگی نام ہے مرمر کے جیے جانے کا

پس موت 'دہری فطرت کی مالک ہے ۔ امکان کی حیثیت سے یہ انسان کو آزادی کا شرف بخشی ہے لیکن واقعیت کے لحاظ سے یہ ایک ایسی اٹل صورت حال

۸- جے ۔ مقاری (J. Macquarrie) ، وجودی دینیات (An Existentialist Theology) لندن ، ایس سی ایم پریس ، ۱۹۶۰ ، ص ۱۱۴ -
۹- ایضاً ، ص ۱۱۹ -
۱۰- ایضاً ، ص ۱۱۹ -

ہے جس سے اس کی آزادی محصور ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ۱۱

چنتا کا تیسرا رکن ''ہبوطیت'' ہے جو وجہ ہے انسان کے غیر شخصی (impersonal) زندگی بسر کرنے کی ۔ انسان دنیا میں ''افتادہ'' (fallen) وجود ہے ۔ دنیا میں پڑ کر وہ اسے اپنا گھر ہی سمجھنے لگتا ہے ۔ اپنی بے مثل انفرادیت کو وہ عوام کی اجتماعیت کی نظر کر بیٹھتا ہے ۔ وہ اپنی موت بھی بھول جاتا ہے ۔ اس سے دور بھاگتا ہے ۔ اسے اپنا ''وجود برائے مرگ ہونا'' یاد نہیں رہتا ۔ وہ سمجھتا ہے کہ موت ایک ایسا سانحہ ہے جو آخر کار سب کو پیش آئے گا اور جو ابھی تک اسے پیش نہیں آیا ہے ۔ اس لیے فی الوقت اس کے متعلق سوچنے کی بھی ضرورت نہیں ۔ یہ موت کا غیرشخصی تصور ہے ۔ انسان کی داخلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ لیکن یہی موت جب انسان کی داخلیت کا ترکیبی جز بن جائے تو وہ شخصی موت بن جاتی ہے ۔ ایسی موت کی انسان ہر وقت توقع کرتا ہے اور دوڑ کر اس سے گلے ملتا ہے ، خود کشی کی صورت میں نہیں ، بلکہ موت کے شعور کے ساتھ جینے ، اپنی ساری زندگی کو اس شعور کے تحت منظم کرنے اور اپنے تمام امکانات کو اس عظیم امکان سے مربوط کرنے کی شکل میں ۱۲ ۔

(۵)

موت کے انسانی تصور کا دوسرا علمبردار فرانس کا دہریہ مفکر ژاں پال سارتر (۱۹۰۵-) ہے ۔ وہ ہائیڈیگر سے اس بات پر قطعی متفق ہے کہ وجودیاتی حیثیت سے زندگی اور موت دونوں ہم رتبہ ہیں ۔ ہمیں نہ دنیا میں اپنے پھینکے جانے پر کوئی اختیار ہے اور نہ یہاں سے اُٹھائے جانے پر ۔ لیکن اس کے باوصف وہ ان دونوں کی لغویت کو محسوس نہ کر سکا ، ورنہ کم از کم موت کو وہ انسان کا امکان کبھی نہ کہتا ۔ موت انسان کا امکان ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ وہ اس کے امکانات کے دائرے سے باہر ہے اور ساتھ ہی اس کے امکانات کا خاتمہ بھی ۔ انسان کی داخلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ یہ محض ایک خارجی صورت حال ہے جس کا سامنا دیر سویر ہر شخص کو کرنا ہے ۔ یہ انسان کا امکان نہیں بلکہ اُس کی ایک ممکن صورت حال ہے جس پر اسے کوئی اختیار نہیں ۔ دنیا میں پھینکے جانے کی طرح یہ بھی سر تا پا لغو ہے اور لایعنی ۱۳ ۔

۱۱- ایف ۔ مولینا ، محل مذکور ، ص ۱۰۷ ۔
۱۲- آر ۔ گرمزکے ، محل مذکور ، ص ۹۴ ۔
۱۳- جے ۔ پی ۔ سارتر ، محل مذکور ، ص ۵۴۰ ، ۵۴۷ ۔

جس طرح موت میرا امکان نہیں ، اسی طرح میری انفرادیت سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ ہائیڈیگر سمجھتا ہے کہ موت ایک منفرد حقیقت ہے ، کیونکہ وہ ایک شخص ، ایک فرد کی موت ہے ، مرنے کی ایک عام مثال نہیں ۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو کوئی دوسرا میرے لیے نہیں کر سکتا ۔ پھر وہ اسی منفرد موت پر وجود کی انفرادیت کی اساس رکھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اپنے اس آخری امکان میں چھلانگ لگا کر انسان ایک شخصی اور منفرد وجود بن جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ چونکہ انسان خود ہی موت سے ملنے کے لیے آگے بڑھتا ہے ، اس لیے اس آخری امکان کے پورے ہونے سے پیشتر ہی اس کا وجود شخصی ہوتا ہے اور منفرد [۱۴] ۔

ہائیڈیگر کی مذکور بالا دلیل میں مغالطۂ دور ہی نہیں ، ابہام نیت (Bad Faith) بھی ہے ۔ اگر موت کو انسان کا شخصی امکان فرض کر لیا جائے ، تو واقعی کوئی شخص میرے لیے نہیں مر سکتا ۔ لیکن اس اعتبار سے تو میرا کوئی امکان بھی کسی دوسرے شخص کا امکان نہیں بن سکتا ۔ کوئی شخص بھی میرے لیے محبت نہیں کر سکتا ، اگر محبت سے مراد وہ قسمیں کھانا ہے جو میری اپنی قسمیں ہیں ، اُن جذبات کو محسوس کرنا ہے جو میرے اپنے جذبات ہیں ۔ پس محبت جیسی عام شئے بھی اس طرح بے بدل ہے اور بے مثل ۔ لیکن اگر میرے اعمال پر ان کے نتائج کے اعتبار سے غور کیا جائے تو دوسرا شخص بلاشبہ وہ کام کر سکتا ہے جو میں کرتا ہوں ۔ اگر یہ ایک عورت کو مسرت بخشنے ، اس کی آزادی یا زندگی کی حفاظت کرنے ، اس کے ساتھ گھر بسانے اور اس کے بچوں کا باپ بننے کا سوال ہے ، اگر جسے محبت کہتے ہیں ، اس سے یہی کچھ مراد ہے تو دوسرا شخص یقیناً میری بجائے محبت کر سکتا ہے اور جو کچھ محبت کے متعلق کہا گیا ہے ، وہی موت کے متعلق بھی صحیح ہے ۔ اگر مرنا دوسروں کی ہمت بڑھانا ، ملک و ملت کی خاطر شہید ہونا ہے تو کوئی شخص بھی میری بجائے مر سکتا ہے ۔ پس موت کسی شخصی صفت کی حامل نہیں ۔ لیکن یہی موت میری شخصی موت بن جاتی ہے اگر میں اسے اپنی داخلیت کے پس منظر میں دیکھوں ۔ میری داخلیت میری موت کو منفرد بناتی ہے نہ کہ میری موت میری داخلیت کو [۱۵] ۔

(۶)

ہائیڈیگر کے تصور موت پر اس نکتہ چینی کے بعد سارتر اپنا نظریۂ موت

۱۴- ایضاً ، ص ۵۳۴ ۔
۱۵- ایضاً ، ص ۵۳۵ ۔

پیش کرتا ہے ۔ موت اس کے نزدیک انسانی داخلیت کا جز نہیں ۔ یہ ایک سراسر لغو (absurd) خارجی صورت حال ہے ۔ اس کی لغویت کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ۔ وہ کبھی کسی وقت بھی آ سکتی ہے ۔ اس کا آنا یقینی سہی ، لیکن وہ کب آئے گی ، اس کا مجھے علم نہیں ۔ پس میں اس کی توقع تو کر سکتا ہوں لیکن اُس کی پیش بینی یا انتظار نہیں کر سکتا[16] ۔ اس کی لایعنیت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ یہ میری مرضی کو نہیں دیکھتی ۔ میں اپنی خوشی سے اسے دعوت نہیں دے سکتا ۔ میں مرنا چاہوں تو مجھے موت نہیں آتی ، لیکن موت جب چاہے مجھے ابدی نیند سلا سکتی ہے ۔ میں ایک عظیم مصنف بننے کے لیے برسوں تیاری کرتا ہوں ، لیکن ایک صفحہ لکھے بغیر ہی مجھے موت آ سکتی ہے ۔ موت میرے وجود کو انفرادیت نہیں بخشتی ۔ یہ کام تو شعور کا ہے اور صرف شعور ہی کا ۔ اس کی مزید لغویت یہ ہے کہ یہ زندگی کی دشمن ہے ۔ زندگی نام ہے خواہش کا اور موت ہر خواہش کا خاتمہ ۔ زندگی سے عبارت ہے توقع اور موت ، ہر توقع کا انقطاع ۔ پس موت میرا امکان نہیں ، یہ میرے تمام امکانات کا خاتمہ ہے ۔ اس کی لغویت کی حد یہ ہے کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں ، دوسرے سے ہے ۔ یہ جب آتی ہے تو میں دنیا سے رخصت ہو جاتا ہوں ۔ نتیجتاً جب میں مرتا ہوں تو اپنے لیے نہیں ، دوسرے کے لیے مرتا ہوں ۔ موت مجھے دنیا کی ایک ٹھوس چیز بنا دیتی ہے ۔ اور میں محض ایک ماضی ہوکر رہ جاتا ہوں ۔ مالرو نے ٹھیک کہا ہے کہ موت زندگی کو تقدیر میں بدل دیتی ہے ۔ جب میں مرتا ہوں تو دوسرا میرا سرپرست بن جاتا ہے ۔ وہی میری خبر گیری کرتا ہے اور وہی ایک طرح میری موت کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے ۔ وہ چاہے تو مجھے یاد رکھے یا ہمیشہ کے لیے بھلا دے ۔ مرنا دوسروں کا محتاج ہونا ، اُن کے رحم و کرم کا دست نگر ہونا اور اُن کی بیگانگی کا شکار ہونا ہے[17]۔

مختصر یہ کہ موت انسان کا امکان نہیں ۔ یہ اس کی ایک اٹل صورت حال ہے ۔ یہ باہر سے ہم پر نازل ہوتی ہے اور ہمیں بھی باہر کی ایک چیز بنا دیتی ہے ۔ نہ ہم اپنی خوشی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ اپنی خوشی سے مرتے ہیں ۔ جس طرح پیدا ہونا لغویت ہے ، اسی طرح مرنا بھی نری لغویت ۔ بقول ذوق :

لائی حیات آئے ، قضا لے چلی ، چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

۱۶- ایضاً ، ص ۵۳۵ -
۱۷- ایضاً ، ص ۵۴۱ -

(۷)

ہائیڈیگر کے یہاں موت اگر امکان کی حیثیت سے انسان کو آزادی بخشتی ہے تو اٹل واقعیت کی حیثیت سے اُس کی آزادی کی حد بھی مقرر کرتی ہے ۔ سارتر کے نزدیک موت ایک سراسر لغو خارجی صورت حال ہے ، جس کا نہ ہمیں آزادی بخشنے سے کوئی تعلق ہے اور نہ اس کی حد مقرر کرنے سے ۔ اپنی تمام‌تر لایعنیت کے ساتھ ہم پر ظاہر ہو کر یہ ہمیں جملہ قیود سے آزاد کر دیتی ہے ۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے موت اور محدودیت (Finitude) کا فرق سامنے رکھنا ضروری ہے ۔ عام خیال یہ ہے کہ موت ہماری محدودیت کو ہم پر ظاہر کرتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں موت ہماری وجودیاتی ترکیب کا جز ہے اور محدودیت اس کا لازمی نتیجہ ۔ ہائیڈیگر کا ''وجود برائے مرگ'' کا نظریہ اسی غلط فہمی پر مبنی ہے اور مالرو کا یہ دعوی بھی کہ موت ہمارے وجود کو انفرادیت بخشتی ہے۔ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ چونکہ ہم مر جاتے ہیں ، اس لیے محدودیت ہم پر لازم آتی ہے[۱۸] ۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے ۔ موت ایک ناگہانی واقعہ ہے جس کا تعلق میری خارجی صورت حال سے ہے ۔ محدودیت میرے وجود کا ترکیبی جز ہے اور میری آزادی کی دعویدار ، بلکہ اس کا وجود ہی میرے آزاد منصوبوں پر منحصر ہے ۔ پس اگر انسان غیرفانی بھی ہوتا تو بھی اس کا وجود محدود ہوتا ۔ لیکن محدودیت سے سارتر کی مراد کیا ہے اور یہ کس طرح انسان کے آزاد منصوبوں سے وابستہ ہے ؟ انسان سارتر کے نزدیک آپ اپنا امکان ہے یا فیصلہ ۔ اسے اپنے آئندہ پہ ہونے یا وہ ہونے کا فیصلہ کرنے کی مطلق آزادی ہے ۔ لیکن ایک مرتبہ جب وہ اپنے کسی ایک امکان کا فیصلہ کر کے اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے متبادل امکانات کا دروازہ ہمیشہ کے لیے اس پر بند ہو جاتا ہے ۔ مجھے کراچی جانے یا نہ جانے کی پوری آزادی ہے ، لیکن کراچی پہنچ کر میں اپنے سابقہ فیصلے کو بدل نہیں سکتا ۔ پس اپنے کسی ایک امکان کو پورا کر کے انسان دراصل اپنے محدود ہونے کا اعلان کرتا ہے ؛ اس مفہوم میں کہ اب اس کے متبادل امکانات پر اسے کوئی اختیار نہیں رہا ہے ، وہ اس کی دسترس سے باہر ہو چکے ہیں ، اس لیے کہ پیچھے قدم اُٹھانا اس کے لیے ممکن نہیں ۔ یہ پیچھے قدم اُٹھا سکنا ، زمانیت (Temporality) کا رخ نہ موڑ سکنا ، اپنے ایک امکان کو پورا کر کے اس کے متبادل امکانات کا انتخاب نہ کر سکنا آزادی کا مخصوص کردار ہے[۱۹] ۔ پس محدودیت آزادی کا لاحقہ ہے ۔ یہ بیڑی خود آزادی نے انسان

۱۸- ایضاً ، ص ۵۴۶ - ۱۹- ایضاً ، ص ۵۴۶ -

کے پیروں میں ڈالی ہے ۔ اس پر ایمان لائے بغیر وہ اپنی آزادی کا علم نہیں بلند کر سکتا ۔

محدودیت کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اس کا انسان کے فانی ہونے سے کوئی تعلق نہیں ۔ لیکن اگر میرا محدود ہونا میرے فانی ہونے پر منحصر نہیں ہے ، تو موت میری آزادی میں حائل نہیں ہو سکتی ۔ میری آزادی اپنی جگہ پر مطلق ہے اور لامحدود ۔ موت اُس کی خارجی حد ہے جو بقید حیات مجھے اسیر نہیں کر سکتی ۔ وہ جب آتی ہے تو میں دنیا میں نہیں ہوتا ۔ مجھے مرنے کی تو آزادی نہیں لیکن پھر بھی میں ایک آزاد فانی ہوں[۲۰] ۔

(۸)

کرکیگارڈ کے نزدیک موت ایک امکان ہے جس کی ناگہانیت انسان کی داخلیت کو پروان چڑھاتی ہے اور اس کے جذبۂ عمل کو فروغ دیتی ہے ۔ ہائیڈیگر کے یہاں یہ ایک نہایت ہی شخصی ، اٹل اور منفرد امکان ہے جس پر خود ہمارے وجود کی انفرادیت کا انحصار ہے ۔ سارتر کے خیال میں یہ ایک سراسر لغو خارجی صورت حال ہے جس کا نہ میری داخلیت سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرے وجود کی انفرادیت سے ۔ یہ ہیں موت کے متعلق وجودی مفکرین کے خیالات ۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ اسلام کی اس بارے میں کیا رائے ہے ۔

اسلام وسیع معنوں میں پیغام عمل ہے ۔ لیس للانسان الا ما سعی[۲۱] ۔ انسان کو صرف اپنے عمل ہی کا پھل ملے گا ۔ بقول اقبال :

عمل سے زندگی بنتی ہے ، جنت بھی ، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عمل پر زور اسلام اور وجودیت میں قدر مشترک ہے لیکن یہاں ان دونوں کے راستے الگ ہو جاتے ہیں ۔ وجودیت جذبات کی انتہا پسندی کا فلسفہ ہے ۔ اسلام عقل اور جذبات میں توازن اور ہم آہنگی کا نام ہے ۔ وہ انتہا پسندی کی مذمت کرتا ہے اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے ۔ خیر الامور اوسطھا اس کے نزدیک علم و عمل کا معیار ہے ۔ اس اصول کی روشنی میں موت اسلام کی نظر میں نہ صرف ایک خارجی واقعہ ہے اور نہ فقط داخلی شعور ، بلکہ ان دونوں انتہاؤں کا ایک کامیاب امتزاج ہے ۔ قرآن بار بار یہ کہتا ہے کہ موت ایک اٹل خارجی صورت حال ہے

۲۰۔ ایضاً ، ص ۵۴۷ ۔
۲۱۔ القرآن ، ۵۳ ، ۳۹ ۔

جس پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ۔ کل نفس ذائقۃ الموت[۲۲] (ہر نفس کو موت کا کا مزا چکھنا ہے) ۔ ہر شخص کو دیر سویر اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے ۔ لیکن اگر ایک طرف موت مستقبل میں پیش آنے والا خارجی واقعہ ہے ، تو دوسری طرف وہ ایک سچے مسلمان کی داخلیت کا لازمی جز بھی ہے ، جس پر اس کی روحانی ترقی یا انفرادیت کا دار و مدار ہے ۔ احادیث میں آیا ہے : جب نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اسے اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھو ۔ انسان کو چاہیے کہ وہ موت کو یاد رکھے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کو نہ بھولے[۲۳] ۔ بہت یاد کرو لذتوں کو کھو دینے والی چیز یعنی موت کو[۲۴] ۔ ''موت کو یاد رکھنا'' اسے اپنی داخلیت کا جز بنانا ، اس کے شعور کے ساتھ جینا اور اسے اچھے اعمال کا محرک بنانا ہے ۔ ہماری داخلیت کا جز بن کر ہی وہ ہمیں نیکی کی ترغیب اور برائی سے محفوظ رکھ سکتی ہے ، حضوری قلب اور خلوص نیت سے ہمکنار کر سکتی ہے جن پر ہمارے اعمال کی قدر و قیمت کا انحصار ہے ۔ بس موت کا شعور ہمیں حقیقی زندگی عطا کرتا ہے جسے ہم ہائیڈیگر کے الفاظ میں مصدقہ یا معتبر (Authentic) وجود کہہ سکتے ہیں ۔ اس سے غفلت ہمیں دنیا کا حریص بنا دیتی ہے جو مترادف ہے غیر حقیقی زندگی بسر کرنے کے ۔ ہائیڈیگر ایسے وجود کو غیر مصدقہ وجود کہتا ہے ۔ حقیقی زندگی میں ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' ۔ غیر حقیقی زندگی میں وہ آپ ہی اپنا مقصود بن جاتی ہے ۔ موت کی یاد انسان کو ایسی زندگی بسر کرنے سے باز رکھتی ہے اور اسے یاد دلاتی ہے کہ :

جہاں ہے تیرے لیے ، تو نہیں جہاں کے لیے

۲۲- ایضاً ، ۳ ، ۱۸۵ -
۲۳- مشکوٰۃ شریف ، جلد اول ، کراچی ۱۹۵۴ع ، ص ۲۸۱ -
۲۴- محل مذکور ، ص ۲۸۱ -

لا الہ الا اللہ

خودی کا سرّ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود و زیاں ! لا الہ الا اللہ !
یہ مال و دولتِ دنیا ، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ !
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں ! لا الہ الا اللہ !
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

www.IqbalCyberLibrary.Net ©2002-2006